بدلتی د نیا کے تقاضے اور فکر اقبال

کائنات کی ہر چیز حرکت کے عمل سے گزر رہی ہے ،جس کی وجہ سے ہر چیز میں تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔ان تبدیلیاں سے انسان بھی مبرا نہیں جو ارتقاء کی منازل تیزی طے کررہی ہیں۔دور حاضر کا ساتھ دینے کے لیے انسان کو جدید علوم سے آگاہی حاصل کر ناضروری ہے ۔اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جدت پسند انسان جتنا آسائشونسے لیس ہے اس سے زیادہ مسائل کا شکار ہے۔اس سلسلے میں فکر اقبال سے استفادہ حاصل کر نا وقت کی اہم ضرورت ہے ۔ بقول اقبال

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ

اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ (۱)

اقبال ایک ایسا عظیم شاعر ہے جو اپنی شاعری مینہر زمانے کو ضم کیئے ہوئے ہے۔ اس نے اپنے دور کے عظیم شعرا کی خصوصیات کو اپنانے کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری میں انفرادیت بھی قائم رکھی۔وہ کبھی کبھی اپنی شاعری مینحافظ کا سوز، عمر خیام کی رندی وبے باکی اور غا لب کی خوداری استعمال کرتا ہے۔ (۲)اس نے اپنے اشعار میں ماضی کی روشن و تابندہ روایات کے ساتھ ساتھ حالات کی تلخ حقیقتونسے نہ صر ف آشناکیا بلکہ ایسا نقشہ کھنیچا جس سے مستقبل کی تصویرعیاں ہو گئی۔ اس نے خود کو ُ ُپیام مشرق ُ مُیں مستقبل کا شاعر کہا ہے۔

نغمہ ام از زخمہ بے پروا استم

من نوائے شاعر فرد استم (۳)

اقبال نے اپنی شاعری کا موضوع حضر ت انسان کو بنایا۔(۴) جس میں بچے بوڑھے جوان مرد و عورت سب شامل ہیں۔ جن کو کبھی شاہین مرد مومن اور مرد قلندر کہہ کر پکارا۔ اور اپنے ان خطابات کو نوازنے کے لیے چند شرائط بھی عا ئد کر دی جس میں انہوں نے مرد مومن کو مایوسیوں سے نکل کر امید اور رجائیت کی منزل پر روانہ کیا اور اپنے فلسفہ خودی کو ان خطابات کے لیے کامیابی کنجی قرار دیاہے۔ کیونکہ اقبال کے فلسفہ خودی کے مطابق انسان اپنی صلا حیتوں کو پرکھتے ہوئے اپنے لیے مستقبل کی راہیں ہموار کر سکتا ہے۔ جیسا کے نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے۔ منحرف نفسہ فقد عرف ربہ(ترجمہ ۔جس نے اپنے آپ کو پہچاننا اس نے خدا کو پہچان لیا)۔(۵)یہی خودی ہے جس سے آگاہی حاصل کرکے ایک طالب علم اپنے رحجان کے مطابق صحیح مضامین اور پیشے کا انتخا ب کر سکتا ہے۔اس کے لیے ذمہ داری اور عمل لازمی ہے۔بقول اقبال

’’انسان کے لیے مقدر ہوچکا ہے وہ اپنے گرد وپیش کی کا ئنات کی گہری آرزووں میں شریک ہواور اس طرح خود اپنے مقدر اور کائنات کی تشکیل کرے ۔کبھی وہ کائنات کی قوتوں کے ساتھ موافقت پیدا کرتا ہے اور کبھی ان کو پوری قوت کے ساتھ اپنے مقاصد کے ساتھ ڈھالتا ہے۔اسن تدریجی تغیرمیں کے عمل میں خدا ان کا شریک کار ہوتا ہے بشرطیکہ انسان کی طرف سے اقدامات کیا گیا ہو۔(اگر انسان کی طرف سے اقدام نہیں ہوتا اور وہ اپنے وجود کے قوی کو ترقی نہیں دیتا ۔اگر وہ زندگی کے بڑھتے ہوئے دھارے کا زور محسوس نہیں کرتا تو اس کی روح پتھر بن جاتی ہے اور وہ مثل مردہ مادے کے ہو جاتا ہے۔(۶)

اقبال کا نظریہ خودی صوفیا کرام کے نظریہ خودی سے مختلف ہے۔وہ خودی کوجسم نہیں روح قرار دیتا ہے۔جو قطرے کی طرح سمندر میں ضم نہیں ہوتا بلکہ گوہر اور شبنم کی طرح اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے۔خودی سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مشکلات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔اس سے مراد غرور و تکبر نہینبلکہ خود شناسی خدا شناسی کا ذریعہ بنتی ہے۔خودی سے اگلی منزل بے خودی کی ہے جو اقوام کی خودی پر مشتمل ہے۔س خود شناسی حاصل کرنے والی قوم بیرونی قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے ۔دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتی۔جس طرح آج ہم جدید آلات اور کاروبار زندگی کو چلنے کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں اور اپنی خودی کو مجروح کرتے ہیں ۔اسی وجہ سے معاشرے مینمحنتی لوگ کم اور گداگر زیادہ ہیں۔اسی قوم کو ضبط نفس،اطاعت ،اورنیابت الہی کے اصولوں کو اپنانا ہوگا۔پھر جا کر مومن اپنا مقام فرشتوں سے بلند کرتا ہے۔اور خود کو انسانی فلاح کے لیے واقف کرتا ہے ۔نہ کہ اپنی ذات کے خول مینبند ہوکر خودغرض بن جائے۔اور اپنی خواہشات کی تکمیل ،آگے بڑھنے کے خواب ،اورفیشن پرستی کی تکمیل کرنے کے لیے خودکش حملے کرتا پھرے۔اسی لیے اقبال نے عقل اور عشق کا نظریہ پیش کیا ۔عقل ہر چیز کو پرکھنے کے لیے مادی اشیاء کو مدنظر رکھتی ہے اور عشق سے کم تر درجہ رکھتی ہے۔جبکہ عشق اخلاقیات پر زور دیتا ہے۔اور مادی اشیاء اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔عشق کی منزل انسان کو فنا نہیں کرتی بلکہ کائنات کے راز کھول کر رکھ دیتی ہے ۔

اور انسانیت کی تمام بیماریوں کو ختم کرنے میں مدد دیتی ہے۔خودی کی عملی صورت مرد مومن کی شکل میں نظرآتی ہے۔جو ارضی تقاضوں کے ساتھ ساتھ روحانی منزلوں کو بھی طے کرتا ہے۔اس کے لیے یقین کا مل ہونا ضروری ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے

یقین پیدا کر اے غافل!کہ مغلوب گماں تو ہے (۷)

ارتقا اندھی جبلت اور تقلید کا نام نہینبلکہ عشق و آرزو اور شوق سے تکمیل پاتا ہے۔کیونکہ علم اور عقل کی عمارت شک پر مشتمل ہے ،جہاں پر عقل جواب دے وہاں سے عشق اپنی منزل شروع کرتا ہے اس کی عمدہ مثال واقعہ ء معراج ہے۔جس میں انسان نے میلوں کا فسر پلک جھپکتے عبور کیا۔
قبال کا تصور خودی رومانوی دور کی پیدوار ہے جس کو کلام اقبال میں ایسے ہی اہمیت حاصل ہے جسے نظام کائنات میں نظام شمشی کو،باقی نظریات ستاروں کی طرح اس کے گرد گھومتے ہیں(۸) ۔جس طرح عالم دین کے نزدیک حق کو نہ ماننے والہ کافر ہے اسی طرح علامہ اقبال کے نزدیک اپنی ذات وصفات سے آگہی حاصل نہ ہونا کفر ہے۔(۹)

چمکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے

جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

سکو ں محال ہے قدرت کے کار خانے میں

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں (۱۰)

زندگی تخلیق کا راز اور انسانیت کا جوہر ہے ۔تقلید اور غلامی (ذہنی ہو خواہ جسمانی)فرد کی موت ہے۔آرزو ،غلامی،عمل اور ارتقا اس کے مقاصد عالیہ ہیں۔زندگی حرکت کا نام ہے۔جمود انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتا ہے۔ اقبال کا نظام حرکی ہی جدید علوم کی بنیاد ہے جس کے متعلق اقبال نے کہا:

’’مذہب ،فلسفہ ،طبعیات اور دیگر علوم و فنون سب کے سب راستے ہیں۔ جو ایک ہی منزل مقصود پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہینکیونکہ سائنس یعنی علوم جدید ہ اور فنون حاضرہ کے دروازے کھولنے والے توط مسلمان ہی ہیناور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا،اور علوم کی بنیاد نظریات اور قیاس پر پرکھنے والے مسلمان ہی ہیں،اور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا،اور علوم کی بنیادنظریات اور قیا سیات پر پرکھنے کے طریق کو مسترد کرنے کی تعلیم دی ،اور یہ ہی بات علوم جدیدہ کی پیدائش کا موجب ہوئی۔ ‘‘ (۱۱)

‘اقبال کے نزدیک کائنات ایک عظیم علامت ہے جس کو دریافت کرنے کے لیے فرد اپنی ساری زندگی صرف کردیتا ہے۔اور اس کے تمام علوم کی منزل کی بنیاد حقائق باری تعالی کی ذات ہے۔جو تمام علوم کا سر چشمہ ہے۔یہی علوم ترقی اور انسانی سہولتوں کا باعث بنتے ہیں۔جسے سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے اور اسی وقت فائدہ دے گی جب بندگی اور اطاعت کا راستہ اختیار کیا جائے۔نافرمانی اور سر کشی کا راستہ نمرود کا تھا جس کا علم اتنا ہونے کے باوجود فائدہ نہ دے سکا۔خدمت اور عبدیت انسان کی میراث ہے مسلم قوم کو کسی چیز کے لیے فنا ہونے کا سبق نہیں دیا گیا خوا فنافی اللہ کا سبق ہی کیونکہ نہ ہو۔ظاہری نمودو نمائش انسان کے زوال کی داستان ہیناسلامی کی آفاقی تعلیمات کو چھوڑ کر جو بھی راستہ اپنایا جائے وہ زوال کا باعث بنتا ہے۔

انسان اگر وقت اور اس کے مشینی دور کا بہتر استعمال نہیں کرے گا تو وہ زمانے کے ہاتھونمذاق بن کر رہ جائے گا۔مشینین ہمارے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے ہیں۔انسانی زندگی کو تباہ و برباد کرنے کے لیے نہیں۔وہ ان مشنیونسے منٹونمینایک فر د کی زندگی بچا بھی سکتا ہے اور تباہ بھی کر سکتا ہے یہ سب انسان پر منحصر ہے۔یہ سب اس کے ایک کلک کی منتظر ہیں۔جو اس کی بربادی اور ترقی کی علامت ہیں۔انسان اپنی تقدیر کا معمار ہے ،جوکہ زندگی اور موت کا مسلہ ہے ۔زمان ومکان میں ہونے والی تبدیلیانرب کائنات کی نشانیوں میں سے ہینلہذااقبال نے اپنی کتاب ’’پیام مشرق ‘‘ میں کی نظم ’’حکیم آئن سٹائن ‘‘ میں اس کے نظریہ زمان ومکا ن سے بہت متاثر ہیں۔جس بنا پر ان کے نظریہ اضافت کی اس تعبیر سے اتفاق کرتے ہیں جو وہائٹ ہیڈ نے پیش کیا ۔لہذاوقت جاری وساری ہے (۱۲)اسی لیے جدید دور کاساتھ دے بغیر کا میاب نہیں ہو سکتا۔جسے کمپیوٹر،لیپ ٹاپ،موبائل فون اور فیس بک وغیرہ۔لیکن ان کا مثبت استعمال ہی ہماری ترقی کی علامت ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی نظم ''مسجد قرطبہ'' میں زمان مکان کو زندگی کے مسلسل تغیر کا نام ہے ۔جس میں جسم اور روح ایک ہی واحدت کی کڑی ہیں۔خدا کے نزدیک وقت کی تفریق ماضی ،حال اور مستقبل کی شکل میں نہیں کی گئی یہ سب ایک ہیں۔اوروہ کہتا ہے وقت کسی کو معاف نہیں کرتا انسان اس کو کیوں شمار کرتا ہے۔جس کہ حدیث نبوی ﷺہے ''زمانے کو برا مت کہو''زمانہ خود رب کائنات کی ذات ہے جو قائم و دائم ہے۔وہ انسان کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتے ہیں۔اس کی عمدہ مثال مرد قلندر کی شکل میندی۔جو اپنے زمانے کو اپنی مرضی سے تشکیل دیتا ہے۔اور مستقبل کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالتا ہے۔وہ آج کے انسان کو بھی ایساہی دیکھنا چاہتے ہیں۔جو ہر وقت اپنے اندر جدت کو بیدار کرے۔ اور دین اسلام میں اجتہاد کا متلاشی ہو۔انہوں نے کہا اگر مسلمان تبدیلی و تغیر کے متلاشی نہیں ہیں تو وہ قرآنی تعلیمات سے بھی منکر ہیں۔اقبال نے اپنے تصور اجتہاد پر اس لیے زور دیا کہ یہ حرکت کا استعارہ اور وقت کی ضرورت ہے۔

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا

ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات (۱۳)

اقبال کا خیال ہے کہ احیائے اسلام صرف مذہب کے احیا ء سے ممکن نہینبلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمدن اور قانون کا احیا ء بھی ضروری ہے۔اگر اس بات کو دیکھا جائے تو اس کام کی تکمیل کے لیے کم از کم ایک صدی کی ضرورت ہے۔(۱۴) اقبال نے علماء کے کردار پر روشنی ڈالی کہ وہ لوگوں کو اخلاقی اور روحانی تعلیمات دیں۔علماء کے لیے اصول فقہ ،اقتصادیات اور اجتماعیات کی جامع تعلیم کی ضرورت ہے۔

اقبال کے نزدیک اسلامی تصور تعلیم ہی بہتر ہے۔جس کے مطابق تمام مسلمان زندگی بسر کرتے ہیں۔جس کے یقین کا سرچشمہ صرف ایک ہی ذات ہے۔جس کے بغیر پرامن اور بہتر زندگی گزرنا مشکل ہے۔ آج ہمارے تمام صوبوں میناحساس برتری اور کمتری پایا جاتا ہے ،جس سے پورے ملک میں خدا نخواستہ جنگ وجدال کی صورتحال پیدا ہوسکتی ہے ۔اقبال نے علاقائی تعصب کو پسند نہینکیا بلکہ اس کو قومیت میں تبدیل کیا۔جو قوم اندرونی حالت کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہ دشمن طاقتوں کا کیسے سامنا کر سکتی ہے ۔؟اقبال نے رنگ نسل کی تبلیغ کو اختراع ابلیس کہااور قومیت کی بنیاد رنگ نسل اور وطن کی بجائے وطن پر رکھی۔آج ہمارے اندر اسی نظریے کا فقدان ہے ۔

ہو س نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو

اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی

تو اے شرمندہ ساحل ،اچھل کر بے کرانہو جا

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے

اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا (۱۵)

دوسرا یہ مسلمان کہلوانے والے تمام مسلمانوں اب اپنے فرقے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جو شعیہ سنی فسادات کو ہوا دیتے ہیں۔ایسے ہی فرقہ وارنہ وردات ۲۰۱۳ء میں ہوئی تھی جس میں پنڈی کی سڑکوں کو بچوں کے خون سے تر کیا گیا۔ہر لڑائی مذہبی نام پر ہورہی ہے۔اقبال نے ایسی صورتحال پر بڑے جامع انداز مینعلمی بحث کی صورت میں حل کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے کہا۔

'' جس مذہب کی آپ نمائندگی کرتے ہینوہ فرد کی اہمیت کو تسلیم کرتاہے۔تاکہ وہ اپناسب کچھ خدا اور انسان کی خدمت میں دے ڈالے ۔اس کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے کہ وہ اب بھی ایک ایسی دنیا پیدا کرسکتا ہے۔جہانانسان کا معا شرتی درجہ اس کی ذات ،رنگ ،اس کے کمائے ہوئے منافع کی تعدادسے نہیں،بلکہ اس زندگی سے معین کیا جاتا ہے جسے وہ بسر کر تاہے۔(۱۶)

اگر آج ہم اسلامی ممالک کی طرف نظر دوڑائیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ملت اسلامیہ پر وطنیت کو ترجیح دی ۔سعودی عرب اور ایران کے اختلافات تو ایک طرف ،شام ،کشمیر،فلسطین،اوربوسنیا کے نہتے مسلمانوں پر ہونے ظلم کو ایک خاموش تماشائی کی طرح دیکھ رہے ہیں،اور قسمت کا لکھا سمجھ کر ہاتھ پہ ہاتھ درے بیٹھے ہیں۔برصغیر کے مسلمان تو ڈیڑھ سو سال تک انگریزوں کے غلام رہے ۔اور ان کا رعب و دبدبہ

ہمارے اوپر اتنا بیٹھ گیاکہ علامہ اقبال کے مطابق اگرچہ مسلمان آزاد ہینمگر سو سال تک ذہنی غلامی کا شکاررہیں گے ۔(۱۷)اس لیے انہوننے یورپ سے نظریہ ئوطنیت کی صلاح استعمال کی شروع میں اقبال بھی اس کی حمایت کرتے تھے،مگر بعد مینوہ اس نظریے کے خلاف ہوگئے۔اور اپنا تصور'' ملت ابراہیمی'' قرآن سے ماخذ کیا۔انہوننے اس نظریے کی بنیاد توحید کو قرار دیا اور یہاں سے ہی واحدت ملت کا لفظ مستعار لیا۔ملت ابراہیمی کو ماننے والے رنگ،نسل ،وطن اور اور قومیت سے آزاد ہیں۔اقبال مسلمانونکے نظریہ جبرو تقدیر کے متعلق کہا کہ انسان اپنے اعمال میں آزاد ہے وہ جتنا زیادہ اطاعت الہی کا پابند ہوگا اتنا ہی آزاد ہوگا۔موجود صورتحال کو دیکھتے ہوئے اقبال نے اپنے خطبات میں مسلمانوں کو یوں مشور دیا۔

''فی حال لازم ہے کہ ہر مسلم قوم اپنے آپ میں ڈوب جائے اور صرف اپنے آپ پر ہی توجہ مرتکز کرے ،حتی کہ جب سب اپنی اپنی جگہ طاقتور ہوجائینتوجمہوریتوں کے ایک زندہ خاندان کی شکل اختیار کرلیں۔''(۱۸)

اقبال قوال کے ساتھ ساتھ عمل کو ضروری قرار دیتے ہینان کا خیال ہے کہ حال اپنے پورے وجود کو حرکت میں لانے کا نام ہے ۔جس میں تنظیم ضروری ہے۔اس معاملے میں وہ ابلیس کی مثال ہمارے سامنے لاتا ہے کہ اس کے اندرقوت،توانائی،عمل،اور اضطراب سب کچھ موجود ہے اگرفقدان ہے تو وہ اپنی صلاحیتونکو منظم نہینکر سکتایہ ہی کمی شیطنت کی وجہ بنی اسی طر ح فردیاقوم مینتنظیم کی کمی نظام کے بکھرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ایسی صورت میناقوام کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی ضرورت ہے جواپنی زبان مینہو تو بہتر ہے۔یہ فریضہ مائینبہتر طور پر سر انجام دے سکتی ہیں۔کیونکہ کہ فرد کی تربیت پورے معاشرے کی تربیت ہے۔ لہذا اقبال کا پیش کیا ہوا فلسفہ دنیا کو ٹھکراتا نہیں بلکہ اس کا استقبال کرتا ہے۔(۱۹)

بڑا کریم ہے اقبال بے نوا لیکن

عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں (۲۰)

حوالہ جات:

۱۔جاوید اقبال ،ڈاکٹر،خطبات اقبال (تسہیل و تفہیم)،لاہور،سنگ میل پبلی کشنز ،۲۰۰۸ئ،ص۹۷۱۔

۲۔ محمد جمیل،اردو شاعری پر ایک نظر،کراچی،غضنفر اکیڈمی ،۱۹۸۵ئ،ص۳۸۷۔

۳۔ایضا ص۳۸۶۔

۴۔ عبد اللہ،ڈاکٹر،سید،مسائل اقبال ،لاہور،مغربی اردواکیڈمی،۱۹۸۷ئ،ص ۲۷۶۔

۵۔حسن اختر ، ڈاکٹر،ملک، اطراف اقبال ،لاہور،مکتبہ میری لائبریری،۱۹۷۲ئ،ص ۱۲۱۔

۶۔جاوید اقبال ،ڈاکٹر،خطبات اقبال (تسہیل و تفہیم)،۲۰۰۸ئ،ص۱۶۔

۷۔مولانا غلام رسول مہر،مطالب کلام اقبال اردو،لاہور،شیخ غلام علی انیڈ سنز،ندارد،ص ۱۸۵۔

۸۔ایضا ص۴۶۸۔

۹۔فرمان فتح پوری،اقبال سب کے لیے،کراچی،اردو اکیڈمی سندھ،۱۹۳۳ئ،ص ۴۹۳۔

۱۰۔جاوید اقبال ،ڈاکٹر،خطبات اقبال (تسہیل و تفہیم)،۲۰۰۸ئ،ص۸۱۔

۱۱۔محمد ر فیق افضل (مرتبہ)، گفتار اقبال،لاہور،ادارہء تحقیقات اسلامیہ ،دانش گاہ پنجاب،۱۹۷۷ئ،ص۲۳۔

۱۲۔نسیم عباس چوہدری،اقبالیات اور قرۃ العین حیدر،لاہور،اقبال اکیڈمی پاکستان،۲۰۰۹ئ،ص۱۸۶

۱۳۔ایضا ص۱۸۹۔

۱۴۔جاوید اقبال ،ڈاکٹر،خطبات اقبال (تسہیل و تفہیم)،لاہور،۲۰۰۸ئ،ص۲۰۷۔

۱۵۔مولانا غلام رسول مہر،مطالب کلام اقبال اردو،لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز،ندارد،ص۴۷۱ ۔

۱۶۔انوار احمد،ڈاکٹر،روبینہ ترین،ڈاکٹر،(مرتبین)،خطبات اقبالیات،ملتان،بہاُوالدین زکریا یونی ورسٹی،۲۰۰۳،ص۱۵۴۔

۱۷۔حسن اختر،ملک،اقبال اور مسلم مفکرین،لاہور،فیروز سنز،۱۹۹۲ئ،ص۱۳۴۔

۱۸۔جاوید اقبال ،ڈاکٹر،خطبات اقبال (تسہیل و تفہیم)،۲۰۰۸ئ،ص۲۰۴۔

۱۹۔ممتاز منگوری(مرتبہ) ،طیف اقبال،لاہور،لاہوراکیڈمی،۱۹۷۶ئ،ص۱۴۱۔

۲۰۔مولانا غلام رسول مہر،مطالب کلام اقبال اردو،لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز،ندارد،ص ۶۱۳۔